رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۰۲۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اک شعبۂ ایمان محبت ہے وطن کی — ہر بار خدا جسے وہ عزت نہ بنے وطن کی
ہر قوم بنی ہے جذبۂ ایثار اسی سے — بے فیض ہے جسکو نہیں الفت ہو وطن کی
(تحسین کاکوروی)

کاکوری اخبار

پانزدہ روزہ

سالانہ ۲	ششماہی ۱

جلد ۹ | کاکوری، جمعہ یکم جنوری سنہ ۱۹۴۳ء مطابق ۲۳ ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۱ھ | نمبر ۱۷

ادبیات

غزل خانصاحب مولوی ضیاء الحسن علوی صاحب ضیا کاکوروی ایم اے، بی ای ایس

لگا کے دل سے پیار کرتے، جو اپنے پہلو میں یار ہوتا
وفا کو اپنا شعار کرتے، جو دل کو اپنے نہ بار ہوتا

وقع ہوتی جو انسے کوئی، تو دل لٹاتے قدم پہ انکے
نگاہِ الفت بدل نہ پاتی، جو دل کو اپنے قرار ہوتا

نہ دل پہ آتا یہ نقشِ ثانی، جو دل کا دل سے ملاپ ہوتا
بساتے دل کو انھیں سے اپنے، جو انکے دل میں وقار ہوتا

نہ چھٹنا انسے یہ کلبہ احزان، جو دیکھ لیتے تڑپ وہ دل کی
لگاتے دل کو ہمیں سے آخر، کوئی مخالف ہزار ہوتا

کشش تو دیکھو دلِ حزیں کی، کہ انکا دل بھی مچل رہا ہے
ہزار رد کا ہزار تھا ما، نہیں ہے اس کو قرار ہوتا

غلامِ مولیٰ غلام احمد، ہے نسبتوں میں یہ ایک نسبت
بڑھاتا مسند یقیت کو بھی، جو یار کا ان کے یار ہوتا

درِ انابت پہ قبضہ رندوں کا، ہو گیا تھا کچھ ایسا کامل
جو بابِ رحمت نہ کھول دیتے تو شیخ توبہ فرار ہوتا

جگر جو پاتے وہ دل میں میرے، تڑپ کر اسکی وہ سلب کرتے
ہے شانِ رحمت عجیب انکی، نہ دل کو انکے قرار ہوتا

زندگی

- زندگی کسی کے انفرادی وجود کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق کائنات کی ہیئت اجتماعیہ سے ہے۔ (ڈاکٹر جانسن)

زندگی کی صحیح بنیاد علم پر نہیں بلکہ عمل پر قائم ہے۔ (ہکسلے)

زندگی بہار کا خوشنما اور حسین پھول ہے۔ اور موت خزاں کے زرد پتوں کے مانند ہے۔ (ٹیگور)

زندگی کی رفتار کا اندازہ وقت سے نہیں بلکہ واقعات سے ہوتا ہے۔ (بیکنس فیلڈ)

زندگی مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہو سکتی ہے لیکن کالعدم نہیں ہو سکتی (شیلے)

زندگی اپنے مقاصد کی تکمیل سے یادگار ہوتی ہے۔ عمر کی درازی سے نہیں۔ (جان ایڈ کاک)

"ہم کیا ہیں اور ہمکو کیا ہونا چاہئے" زندگی کی یہی تکمیل ہے اور اپنے فرائض سے اغماض کرنا تنزلی اور موت کی علامت ہے۔ (اسٹیونسن)

زندگی کی تکمیل ہمارے عمل کے خلوص اور فرائض کے احساس سے ہوتی ہے۔ اور اس جد و جہد میں ہمیں نہایت اخلاق و ایثار کے ساتھ جمہور سے تعاون کرنا چاہئے۔ (اے۔ سی۔ جنس)

اضطراب۔

ہوا ہے رنگیں، دل مصفا، جھلک کسی کی تھی اسمیں مضمر
ٹھہر نہ پاتا ضیا وہ دل میں جو ضبط، دل کا شعار ہوتا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کاکوری اخبار

جلد ۹ | یکم جنوری سنہ ۱۹۴۳ء | نمبر ۱۷

ناظرین کو عیسوی سال نو مبارک ہو۔ ۱۹۴۲ء سنہ ۱۹۴۱ء سے بھی زیادہ پریشانی و ترددات اور آلام میں گزرا۔ گرانی اشیاء اور کھانے پینے کی چیزوں کی عدم دستیابی سے مخلوق نے جتنی تکلیف اٹھائی اُسکو ہر متنفس خوب جانتا ہے اللہ جل علی سنہ ۱۹۴۳ء کو بعافیت اور پُرسکون گزارے سب کو تمام آفات سے محفوظ و مامون رکھے آمین۔ (اڈیٹر)

وطن کی عید

(عید الضحیٰ)

ذالحجہ کا چاند ۲۹ ذیقعدہ (چہارشنبہ ۹ دسمبر) کو صاف نظر آیا اور بقرعید کا تہوار مسلمانوں نے شنبہ ۱۹ دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء کو قصبہ و مضافات میں نہایت امن و سکون سے منایا۔ اس اسلامی تہوار میں پوری خوشی و خرمی کا اظہار کیا گیا۔ گو گرانی اور جنگ کی پریشانیوں کی وجہ سے جو عام انتشار و بےچینی پھیلی ہوئی ہے اُسکے اثرات ہر شخص کے چہرہ سے پورے طور پر نمایاں ہو رہے تھے ہم اپنے ناظرین و ناظرات اخبار کو پُرخلوص مبارکباد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ایسی ہزاروں عیدیں مسلمانوں کو خوشی و انبساط اور امن و سکون کے ساتھ نصیب کرے۔ اسلام کا بول بالا ہو اور مسلمانان عالم عموماً اور ہندوستان کے مسلمان خصوصاً اتفاق و یکجہتی اور تنظیم کے ساتھ پُرلطف و خوشحالی کی زندگی گذاریں۔ آمین یارب العالمین۔

حسب دستور قصبہ و مضافات کی مساجد و عیدگاہ میں نماز دوگانہ ادا ہوئی۔ چونکہ موسم سخت تھا سردی کافی تھی عیدگاہ و مساجد میں اوقات مقررہ کی پابندی نہو سکی۔ جہانتک دریافت ہوا ہے مساجد میں دوگانہ نمازیں ساڑھے گیارہ بجے تک ختم ہو گئیں تھیں عیدگاہ میں بھی ۱۱ بجے کے اندر نماز و خطبہ ختم ہو گئے تھے۔ عیدگاہ میں مثل سالہائے ماسبق امامت کے فرائض مولوی حاجی مصطفےٰ حسن علوی صاحب ایم۔ اے نے ادا کئے۔ خوش الحانی سے نماز پڑھائی اور خطبہ پڑھا۔ مساجد و عیدگاہ میں لوگ نماز دوگانہ ادا کرنے کے بعد اعزہ و احباب سے معانقہ و مصافحہ کرکے صاحب نصاب لوگوں نے اپنے اپنے گھروں پر قربانی کی اور سہ پہر کو حسب اعلان اور مثل سالہائے ماسبق قبل نماز عصر "جلسہ ملاقات عید" کی شرکت کے لئے جناب قاضی القضاۃ بہادر مرحوم مغفور کی بارہ دری (مولوی محلہ) میں جمع ہوئے۔ اولاً بارہ دری سے ملحقہ مسجد میں نماز عصر باجماعت ادا ہوئی۔ نماز سے فراغت کرکے لوگ بارہ دری میں آکر بیٹھے اور شعر و شاعری کا مشغلہ شروع ہوا۔ اسبار سکریٹری صاحب انجمن اخوان الصفا نے ایک مصرعہ طرح دیکر باقاعدہ مشاعرہ کا انتظام کرنا چاہا تھا جو بوجہ تنگی وقت طرحی مشاعرہ منعقد نہو سکا اور جس کو آئندہ کسی موقع کے لئے ملتوی کرنا پڑا۔ صرف چند شعر بقا صاحب نے اُس طرح میں برجستہ کہے تھے وہ حاضرین کو سُنائے۔ حسب دستور غیر طرحی غزلیں حاجی مولوی مصطفےٰ احسن فرہاد۔ مولوی محمد عاصم قیس۔ سید خورشید علی بقا اور مرزا سکندر بیگ قدر نے پڑھیں جن میں اکثر اشعار وجد آفریں تھے۔ آخر میں نو عمر محمد کاشف سلمہ خلف منشی منظور علی علوی نے نہایت دل خوش کن لہجہ میں دو مشہور شعرا کی غزلیں بے جھجک سُنائیں جن سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ اس مبارک اجتماع میں ہر طبقہ و خیال کے لوگ بزرگ، جوان، بچے سب ہی شریک تھے۔ مجمع بہت اچھا تھا یہ دلچسپ و پُررونق صحبت نماز مغرب سے کچھ قبل ختم ہوئے۔ حسب دستور حاضرین کی چاء۔ حقہ پان سے تواضع کی گئی۔ (ادارہ)

ماہ محرم

آج سے آٹھ دن کے بعد قمری مہینہ (جسکو اسلامی کہا جاتا ہے) کا نیا سال شروع ہو رہا ہے۔ تقریباً تمام مذاہب کے نئے سال کے شروع ہونے پر خوشیاں منائی جاتی ہیں لیکن افسوس ہے کہ اسلامی سال کی ابتدا کربلا کے واقعہ فاجعہ کی وجہ سے غم و الم سے شروع ہوتا ہے۔ اور اب تو اس مبارک مہینہ کو غم کا مہینہ کہا جانے لگا ہے اور عملاً اس پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ وہ مبارک مہینہ ہے جسکے شروع ہوتے ہی زمانہ جاہلیت میں بھی ملک عرب میں جدال و قتال موقوف کر دیا جاتا تھا اور دیرینہ مخاصمتیں و عداوتیں

ختم ہو جاتی تھیں۔ اسلام کا آفتاب طلوع ہونے پر تو پیغمبر اسلام نے اور بھی ایسے نکات بیان فرمائے جس سے اس مہینہ کی تقدس و مبارک ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا اور خوشی و انبساط سے یہ پورا مہینہ گذارا جانے لگا۔

یہی وہ ماہ معظم ہے جس میں حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی ماہ مقدس میں حضرت موسیٰؑ کو فرعون پر فتح عظیم حاصل ہوئی یعنی بنی اسرائیل فرعونؔ کی غلامی سے آزاد ہوئے۔ لہذا ہمارا اولین فرض یہ ہونا چاہئے کہ ہم اسلامی سال کے شروع ہوتے ہی اپنے گزشتہ اعمالوں کا جائزہ لیں اور اس بات پر غور کریں کہ یہ سال خداوند کریم کی اطاعت میں گذرا ہے یا نافرمانی کے کاموں میں۔ اگر زندگی کا یہ سال اعمال صالحہ کی تکمیل میں گذرا ہے تو اس کامیابی پر خدائے ذوالجلال کا شکریہ ادا کرنا چاہئے جس پر خوشی کا اظہار اگر ہو تو بیجا نہیں اگر یہ وقت بُرے کاموں میں گذرا ہے تو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ و استغفار خشوع و خضوع سے کیا جائے اور آیندہ کے لئے پرہیزگار رہنے کا سچے دل سے عہد ہو۔

ان تمام باتوں کے باوجود کربلا کا واقعہ اسلامی تاریخ میں ایک ایسا سانحہ عظیم ہے جو تیرہ سو سال گذرنے کے بعد بھی اُس کی یاد دلوں میں تازہ ہے اور محرم کی دسویں تاریخ مسلمانوں کو خون کے آنسو رُلاتا ہے۔ یہی وہ یوم عاشورہ ہے جس میں چند ظالموں اور سنگدلوں نے کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر سیدنا امام حسینؓ کو خاک و خون میں تڑپایا تھا۔ وہ حسینؓ جو دوش محمدؐ کا سوار تھا جسے حضورؐ نے اپنا فرزند فرمایا اور جس کی ادنیٰ سی تکلیف حضور انورؐ کو بے چین کر دیتی تھی۔ اور جس کی نسبت حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جو اُن سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت کرے گا اور جو اُن سے عداوت رکھے گا وہ مجھ سے عداوت رکھے گا۔

ہم ہر سال اس واقعہ عظیم پر آنسو بہاتے ہیں اور اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں اس امر پر بھی غور کرنا چاہئے کہ یہ حادثہ کیوں پیش آیا؟ اور کس لئے اسلام کا دعویٰ کرنے والوں نے اپنے رسولؐ کے نواسے کو ذبح کیا؟ تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ دنیا کی طمع نے اُن کے دلوں کو نور ایمان سے خالی کر دیا تھا اور وہ سب کچھ جاننے پر بھی سنگدل اور ظالم بنگئے تھے حضرت امام عالی مقام اسلام کی بیعزتی کو گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

اور نہ یہ بیعزتی پسند آئی کہ یزید کو خلیفہ تسلیم کر کے دنیاوی عیش و آرام حاصل کرتے۔ آپ نے اُس کی خلافت سے قطعی انکار فرمایا جس کے نتیجہ میں ہولناک جنگ ہوئی۔ حضرت امامؑ اور آپ کے رفقا شہید ہوئے۔ دختران رسولؐ کی توہین ہوئی لیکن حق نے باطل کے آگے سر نہ جھکایا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے یہ راہ کیوں اختیار کی اور جان بوجھ کر اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانیں کیوں قربان کیں؟ صرف حق کی حمایت کے لئے۔ کیا ہمارا یہ اولین فرض نہیں ہے کہ ہم اس واقعہ عظیم سے ایثار و قربانی کا سبق حاصل کریں۔

اس واقعہ عظیم میں ہمارے لئے عبرت و نصیحت کا کافی سامان موجود ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر سیدنا امام حسینؓ چاہتے تو یزید کی بیعت کر کے عیش و نشاط کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور ہر طرح کے دنیاوی فائدے حاصل کرتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ ہر طرح کے فائدوں کو ٹھکرا کر اسلامی شریعت کی حرمت کے تحفظ کے لئے اپنی اور اپنے رفقا کی جانیں قربان کر دیں۔ اور باوجود اسکے کہ آپ کے ساتھیوں کی تعداد بہت قلیل تھی لیکن پھر بھی آپ آزردہ خاطر نہوئے اور نہایت استقلال کے ساتھ نفس پرستوں کے مظالم برداشت کئے اور آخرکار میدان کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا۔

اس واقعہ عظیم میں ہمارے لئے ایک قیمتی سبق یہ بھی ہے کہ جب اسلام کی عظمت کے تحفظ کا موقع آئے تو ہم کو انتہائی صبر و استقلال کے ساتھ ہر طرح کی مصیبتوں کا مقابلہ کرنا چاہئے اور باوجود بے سر و سامانی اور تعداد کی قلت کے ایثار و قربانی کے لئے آمادہ رہنا چاہئے۔

کیا یہ ہماری بدبختی قابل افسوس نہیں ہے کہ ہم زبان سے اس عظیم الشان واقعہ کی اہمیت کا اقرار کرتے ہیں لیکن عملی طور پر اس کی اہمیت نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ کیا سیدنا امام حسینؓ کی اس بے نظیر قربانی کی صرف یہی قیمت ہونا چاہئے کہ ہم سال بھر میں صرف چند روز کے لئے اس واقعہ کو یاد کریں اور گیارہ مہینے کے لئے فراموش کر دیں۔ اگر ہماری نگاہ میں اس کی صرف یہی قیمت ہے تو خدا بہتر جانتا ہے کہ ہم نے اس قربانی کی قدر نہیں کی اور نہ اس کی اہمیت کو تسلیم کیا۔

اس واقعہ کی عظمت کا حقیقی احترام یہ ہے کہ ہم امام مظلوم کے

نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور ہمارے دل کی کائنات ایثار و قربانی کے جذبات سے معمور ہو جائے۔

خداوند عالم اپنے حبیب پاکؐ کے صدقے میں ہم کو یہ توفیق عطا فرما کہ ہم سیدنا امام حسینؑ کے نقش قدم پر چلکر اپنے جذبۂ ایثار پسندی کا عملی ثبوت پیش کریں اور اپنی درماندگی اور پریشان حالی سے بے نیاز ہو کر دین حق کی حمایت کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ ہمارے قلب کو اطمینان اور ہماری روح کو آسودگی عطا فرما۔ اور ہمیں نام و نمود اور مکر و فریب کی ظلمتوں سے محفوظ رکھ۔ شہید کربلا کے صدقہ میں ہماری عزت و عظمت کی کشتی کو ذلت کے سمندر میں ڈوبنے سے بچالے۔ ہمارے دل کی مایوسیوں کو اپنے آغوش رحمت میں جگہ دے اور ہمیں عزم و استقلال کی نعمت سے سرفراز کر۔

ایک منگیتر کا عرفانی تصوّر

وہ آرہا ہے، میرا محبوب، میرا مالک جس کے لئے میں دریائے فلک کے کنارے پر عرصہ سے کھڑی تھی، ہاں آج انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، آج فراق وصال سے بدل جائے گا، میری کمر بستگی کا زمانہ اب ختم ہوا۔ اپنے محبوب سے بغلگیر ہونے کا سماں آگیا، کیونکہ وہ آرہا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دریائے فلک کے پانی میں جنبش ہوئی وہ کہکشاں میں تیرتا ہوا آرہا ہے آج رات اس کا سفینۂ نور دیکھو کس تیزی سے میری جانب آرہا ہے۔

گو دریائے فلک کی لہروں میں جوش آرہا ہے مگر اس قدر طوفان نہیں ہے کہ میرے حبیب کا سفینہ خطرہ میں ہو، میں تیر کر اُس پار بھی نہیں جاسکتی، کیونکہ پانی لحظہ لحظہ بڑھ رہا ہے۔ میں ابھی انتظار میں کھڑی رہونگی، اور دریا میں بہنے والی چیزوں کو شوق و اضطراب سے دیکھتی رہوں گی، کاش میرا مالک جلد آجائے!

میری محبوبہ! میری جمیل و حسین منسوبہ اس کنارے پر کھڑی ہے اس سے جدا ہوئے کتنا عرصہ ہوا! جب میں آخری بار اس سے ملا تھا، وہ کیسی حسین معلوم دیتی تھی، میری اس کی ملاقات بس ایک ہی لمحہ کی ہوئی تھی، اور فوراً ہی رخصت کا وقت آگیا تھا۔ آہ! وہ آخری نظارہ، ہوش رُبا! رات کو چمکتے ہوئے جگنو کی ایک جھلک سے زیادہ نہ رہا! ابھی تک فراق کی وہ گھڑیاں ختم نہیں ہوئیں۔

میرا خیال ہے میرا دُولہا "مکر بوشی" اپنی دُلہن سے ملنے آرہا ہے آج میں کیوں نہ خوش ہوں؟ دیکھو آسمان پر بدلی چھا گئی، تیز ہوا چلنے لگی میرے کنارے کی طرف اس کا سفینہ لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہا ہے دریائے فلک کو بھی آج خوشی کی وجہ سے قرار نہیں!

دریائے فلک کے کنارے کھڑی ہوئی اپنے مالک کے انتظار میں گھڑیاں گن رہی ہوں، مجھے کتنی دیر ہو گئی ہے پوشاک گیلی ہو گئی کوئی پروا نہیں پانی میں کشتی چلانے کی آواز زور زور سے آرہی ہے، فضا میں سرسراہٹ بڑھ گئی ہے کیا عجب ہے کہ میرا حبیب لبیب اپنی خوبصورت سی کشتی میں سوار فیروزہ کے چپوؤں کو چلاتا ہوا میری طرف آرہا ہو۔ ۔ ۔ ۔ تیزی سے، میرا محبوب جس کے انتظار و تمنا میں میں مری جا رہی تھی آخرکار آج میرے پاس آہی جائے گا۔

میری دُلہن، میری حسینہ، میری محبوبہ! اپنی آستین اوپر کو اُلٹ کر دریائے فلک کے کنارے آگئی ہے۔ شاید حد سے زیادہ انتظار نے اُسے سلا دیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ دیکھو، دریائی خس میں رہنے والی بطخوں! تم صبح ہوتے ہی چلانا شروع نہ کر دینا۔ ورنہ میری دُلہن کی نیند خراب ہو جائے گی اور وہ اُفق پر سُرخی پیدا ہونے سے پہلے اُٹھ بیٹھے گی،

وہ ابر و باد کو دیکھ کر سوچ رہی ہو گی "میرا مالک آج ضرور آئے گا! آج وہ اپنی کشتی میں بیٹھ کر ضرور ادھر آئے گا"

اگرچہ میں ستاروں کا دیوتا ہوں اور مجھے سب آسمانوں میں جانے اور ہر ہوا کے دوش پر سوار ہونے اور سب مقامات کی سیر کرنے کی طاقت دی گئی ہے مگر دریائے فلک کو عبور کرنے سے میں بھی قاصر ہوں کیونکہ وہ عشق کے پُر جوش پانی سے لبریز ہے، اس کا عبور کرنا خطرہ اور تکلیف سے خالی نہیں، تیرے لئے اس دریا کو عبور کرنا بہت ہی دشوار ہے۔

جس دن میرے دل میں اپنے خاوند کے لئے تڑپ زیادہ ہوتی ہے تو میں دریائے فلک کے کنارے پر بیٹھ کر آنے جانے والی بیقرار موجوں کو دیکھتی ہوں۔ پانی کی تیز جنبش اور رات کو سفر کرنے والی کشتی کے چپوؤں کی آواز جب دور سے مجھے سُنائی دیتی ہے تو میں سمجھ لیتی ہوں کہ بس میرا حبیب، میرے دل کا مالک اب آرہا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲ کالم ۲ پر ملاحظہ ہو)

بزرگانِ وطن

سوانح حیات مولوی حاجی اعجاز علی مرحوم و مغفور

(از اسحاق علی علوی صاحب)

(گذشتہ سے پیوستہ)

مضمون دوم - "جی کا سکھ"

"معلوم ہوا جی کا سکھ جی لینے میں ہے ...... اتنا تو میرے جی میں بیٹھ گیا کہ سائیں نے بات ٹھیک کہی مگر دھر کی بستی میں ابتلا بھیڑ تک نہ پہونچا...... مگر جو پہونچا تو ایک جانب کا رسائیں دکھائی دیا۔ وہ مجھ پر پہلے سے بڑا مہربان تھا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ میں نے اسی سے جی کی لگن کہہ ڈالی۔ اُس نے بھی ایک کونے میں لیجا کے بٹھا کے کہا آنکھیں بند کر لو۔ آنکھیں بند کرنا تھیں کہ نیند ایسی آگئی اور سائیں معلوم ہونے لگا جیسے سکھ کا پتلا۔ اور اسکے روئیں روئیں سے وہ ہم سروں میں میرے میاں کو نام سمائی دیتے تھے اور بستی میں بوجھ گیا۔"

(صفحہ ۳۰ الناظر ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء)

مضمون سوم "مسبحانی موت"

"معلوم ہوا کہ اس بستی میں جو کچھ ہوتا ہے اُس کا کرنے والا ہم سب یہاں والوں میں کوئی نہیں۔ سب کی ڈوری ایک کھلاڑی کے ہاتھ میں ہے۔ اُسی کے اشارہ پر ہم سب کھیلتے ہیں۔ اسی سے کبھی دشمن بُرائی کرتا ہے وہ ہو جاتی ہے اچھائی۔ دوست اچھائی کرتا ہے وہ ہو جاتی ہے برائی۔ تو آپس میں ایک دوسرے سے آس کیوں باندھیں۔ کیا غرض۔ کھلاڑی سے آس باندھیں جو کبھی مرا ہے نہ مریگا۔ ورنہ مریگا آس ٹوٹ کے آٹھ آٹھ آنسو رُلائیگی۔"

(صفحہ ۵۹ الناظر ماہ اگست سنہ ۱۹۱۳ء)

فطرت نے ان کی طبیعت میں معاملہ فہمی اور انتظام کا جو سلیقہ ودیعت کیا تھا اس سے کام لیکر انھوں نے اپنی جائداد کے نظم و نسق کو ایسا سنوارا کہ زندگی نہایت خوش خوش گزاری اور تمام ذمہ داریوں سے باحسن وجوہ سبکدوش ہوئے۔ وقتاً فوقتاً جائداد میں اضافے بھی کیے اور لکھنؤ میں ناداں محل روڈ پر ایک قطعہ زمین خرید کر کے ایک عمارت بنوائی تھی جسکی دوکانیں اور ایک حصہ بن چکا ہے مگر ہنوز تکمیل نہیں ہوئی۔

سنہ ۱۵ء میں زنانے مکان سے متصل مردانی کوٹھی بنوانا شروع کی جو سنہ ۲۳ء میں مکمل ہوئی۔ منشی ارتضیٰ علی شہر مرحوم نے حسب ذیل تاریخ اس موقع پر تصنیف فرمائی تھی:-

مبارک حشر تک ہو حاجی اعجاز علی صاحب ؛ فلک رفعت یہ کوٹھی قصر جنت کے مقابل ہے
شہر کو فکر تھی تعمیر کی تاریخ ہو کوئی ؛ ندا آئی۔ ہمایوں خوشنما اعجاز منزل ہے

۳۰ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء کو بڑے صاحبزادہ ارشاد علی سلمہ کا عقد امیٹھی میں اپنے ماموں زاد بھائی شیخ ظہور حسن مرحوم کی صاحبزادی سے کیا اور ۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء کو اپنی صاحبزادی کا عقد عزت علی مرحوم خلف برادر معظم منشی سخاوت علی مرحوم کے ساتھ کاکوری میں کیا۔ چند سال بعد بڑی بہو کا انتقال ہو گیا تو ۲۵ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء کو ارشاد علی سلمہ کا دوسرا عقد منشی امانت علی مرحوم کی نواسی کے ساتھ بمقام سندیلہ کیا اور اسی موقع پر منجھلے صاحبزادہ راشد علی سلمہ کا عقد منشی امانت علی مرحوم کے سالے شیخ سجاد علی کی صاحبزادی کے ساتھ کیا گیا۔ اور اسی سال ماہ جنوری میں اپنے چھوٹے صاحبزادہ محمد علی سلمہ کا عقد حافظ حسین الدین مرحوم کی صاحبزادی سے کاکوری میں کیا۔ اور ان سب تقریبات میں نہایت سیر چشمی مگر کفایت شعاری کے ساتھ مصارف کئے۔

اہل برادری میں جو غلط رسوم شادی و غمی وغیرہ رائج ہو گئے ہیں ان کی اصلاح کا خیال سب سے پہلے عم محترم خانبہادر منشی اطہر علی مرحوم کو پیدا ہوا۔ چنانچہ اونھوں نے بعض دیگر اعزا کے ساتھ ملکر ایک اجتماعی کوشش فرمائی اور بہت سی اصلاحات رائج کیں۔ مرحوم بھی اس معاملہ میں انکے پورے پورے ہم خیال تھے۔ اسی کا اثر تھا کہ جب سنہ ۱۹۰۴ء میں راشد سلمہ پیدا ہوئے تو انھوں نے رسمی دھوم دھام کو خیرباد کہکر زچگی کے زمانہ ہی میں خاموشی سے اُن کا ختنہ کرادیا۔ جملہ تقریبات شادی میں بھی اس کا لحاظ رکھا کہ جو اصلاحات طے پا چکی ہیں ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔ ساٹھ ہزار کے رسمی مہر کو موقوف کر کے ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مہر کو رواج دیا۔ شب برات کا حلوا اور فاتحہ سوم و چہلم وغیرہ کی رسوم بھی انھوں نے اپنے یہاں سے موقوف کر دیں۔

سنہ۱۹۰۲ء میں جب تجارت کا شوق ہوا تھا تو اس سلسلہ میں اشتہار دینے کی غرض سے متعدد اخبارات آنے لگے تھے۔ اُس وقت سے اخبار بینی کا ذوق ہوگیا تھا جو آخر وقت تک رہا۔ کتب بینی کا مشغلہ ہمیشہ سے تھا۔ البتہ مذاق کی تبدیلیوں کے ساتھ مطالعہ کی نوعیت بھی بدلتی گئی۔ مثنوی مولنا روم سے اونکو خاص شغف تھا اور اب کچھ عرصہ سے کتب حدیث علی الخصوص بخاری شریف کا ورد معمول بن گیا تھا۔

انجمن اخوان الصفا کے زمانہ شباب میں وہ دوسرے اعزا و خاندان کے ساتھ وہ بھی انجمن کے کاموں میں کافی دلچسپی لیتے تھے۔ ندوۃ العلما سے بھی بہت دنوں تعلق رہا اور سالہا سال تک اسکی مجلس انتظامیہ کے رکن رہے۔ سنہ۱۹۱۳ء میں مولنا شبلی کو جو دارالعلوم ندوۃ العلما کی معتمدی سے علحدہ ہونا پڑا تو اتفاق سے مرحوم ہی اس کا سبب بن گئے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ندوہ سے ایک ماہوار رسالہ "الندوہ" کے نام سے نکلتا تھا۔ ابتدا میں مولانا شبلی اور مولنا حبیب الرحمٰن شیروانی اسکے ایڈیٹر تھے۔ بعد میں مولانا سید سلیمان ندوی کے سپرد یہ خدمت کی گئی اور جب وہ ادارۂ الہلال میں جاکر شامل ہوے تو ایک سرحدی عالم دارالعلوم میں معلم ادب تھے یہ خدمت اُن کے سپرد کی گئی۔ اُنھوں نے ایک مضمون مسئلہ جہاد پر تحریر فرمایا تھا مضمون رسالہ میں چھپا اور چند ہی نسخے رسالہ کے شائع ہوے تھے کہ یہ بات مولنا شبلی کے علم میں آئی۔ اونھوں نے مقامی اراکین کا ایک فوری جلسہ منعقد کرکے ایڈیٹر کو معطل اور رسالہ کی بقیہ جلدوں کو بحق منتظمین ندوۃ العلما ضبط کرنے کا فیصلہ کیا اور اس واقعہ کی اطلاع حاکم ضلع کو دی۔ حاجی صاحب مرحوم کے پاس اتفاق سے رسالہ پہونچ چکا تھا۔ جب ان واقعات کا علم ہوا تو اُنکو بڑا قلق ہوا اور بوقت ملاقات اُنھوں نے وہ رسالہ راقم الحروف کو دکھایا اور اس ساری استبدادی کاروائی سے آگاہ کیا۔ راقم الحروف نے مسلم گزٹ میں ایک مضمون لکھ کر اس راز کو طشت از بام کیا تو مولوی وحید الدین سلیم مرحوم ایڈیٹر مسلم گزٹ نے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور زور شور سے اس پر بحث شروع کردی۔ مولانا شبلی کچھ عرصہ پیشتر اسی اخبار میں "مسلمانوں کی پولٹیکل کروٹ" کے عنوان سے نہایت زوردار مضامین لکھ چکے تھے اور اس بات کے داعی بن گئے تھے کہ مسلمان حکومت پرستی کی سیاسی حکمت عملی کو ترک کرکے حقوق طلبی میں وہ آزادانہ راہ اختیار کریں جس پر عرصہ سے کانگریس گامزن تھی اور جس کی تلقین دو سال سے مولنا ابوالکلام آزاد الہلال میں کر رہے تھے۔ مولنا شبلی کے قول و عمل کے تضاد کو مسلم گزٹ میں اس شد و مد سے ظاہر کیا گیا کہ اُن کو مجبور ہو کر معتمدی دارالعلوم ندوۃ العلما سے مستعفی ہونا پڑا۔ طلبائے دارالعلوم نے جب اسٹرائک کی تو مولنا کے حامیوں نے اس کی آڑ میں پھر اس بات کی بڑی کوشش کی کہ مولنا کو دوبارہ ندوہ میں لائیں مگر اُن کی مساعی بارور نہوئیں۔

سنہ۱۹۱۹ء میں حضرت مولنا امین القضاۃ صاحب تحریک مدح صحابہ میں دلچسپی لے رہے تھے تو اُن کے ایما پر حاجی صاحب نے کلکتہ جاکر نواب عبدالجبار خاں سی۔ آئی۔ ای سابق وزیر بھوپال کو اس معاملہ میں توجہ دلائی۔ اور لکھنؤ کے اہل سنت کی جو حق تلفی مقامی حکومت نے کی تھی اونکی وساطت سے اس کی تلافی چاہی۔

علمی سیاسیات سے حاجی صاحب کو چنداں دلچسپی اگرچہ نہ تھی مگر سنہ۱۹۲۰ء میں جب راقم السطور پہلی بار تحریک خلافت و ترک موالات کے سلسلہ میں جیل گیا تو سال ڈیڑھ سال تک وہ بھی کانگریس کی جد و جہد میں شریک رہے۔ کاکوری کی کانگریس کمیٹی کے صدر بھی رہے اور دسمبر سنہ۱۹۲۱ء میں کانگریس کے سالانہ اجلاس کی شرکت کے لئے احمد آباد بھی گئے۔ سنہ۱۹۲۲ء میں چوری چورا کے واقعہ تشدد کے بعد جب مہاتما گاندھی نے تحریک کو روکدیا تو رفتہ رفتہ سارے ملک میں جمود پیدا ہوگیا اور حاجی صاحب بھی خاموش ہوکر بیٹھ رہے۔

اسی زمانہ میں اُنھوں نے ہومیوپیتھک علاج کی طرف توجہ کی اور مطالعہ کتب کے بعد خدمت خلق کی غرض سے مطب جاری کیا اور صبح کا وقت دوا تقسیم کرنے کے لئے مخصوص کردیا۔ اور یہ سلسلہ آخر وقت تک قائم رہا۔

(باقی آئندہ)

نظم

(از خمار بارہ بنکوی)

۲۰ شوال گذشتہ کو تکیہ شریف برنالکھ میں خمار صاحب نے جو رباعی اور نظم پڑھی تھی اور جس کو حاضرین نے بہت پسند کیا تھا وہ اب مولوی مصطفےٰ حیدر صاحب نے از راہ عنایت ہم کو بھیجی ہے جس کو ہم بعد شکریہ اکثر ارباب وطن کے اصرار سے درج اخبار کرتے ہیں۔ (اڈیٹر)

رباعی

خوب ہی لغزشیں ہوئیں بے خودی شباب میں   شام و سحر بسر ہوئے مشغلۂ شراب میں
ہوکے نہ نا اُمید رحمت حق سے روز حشر   میرے گناہ چھپ گئے دامن بوتراب میں

ہمیں معلوم نہ تھا

چاہ برباد کرے گی ہمیں معلوم نہ تھا   روتے دھوتے ہی کٹے گی ہمیں معلوم نہ تھا
موت بھی ہم پہ ہنسیگی ہمیں معلوم نہ تھا   زندگی روگ بنے گی ہمیں معلوم نہ تھا

مرمٹیں سودا نہ رہا دل میں شرارے نہ رہے   وہ اُمیدیں نہ رہیں اور وہ سہارے نہ رہے
غیر تو غیر ہی تھے وہ بھی ہمارے نہ رہے   ہم پہ ایسی بھی پڑے گی ہمیں معلوم نہ تھا
گردن غیر میں پڑ جائیں گی باہیں اُن کی   ہوں گی بند آہ ہمارے لئے راہیں اُن کی
بدلی بدلی رہیں گی ہم سے نگاہیں اُن کی   یوں ہوا اُلٹی چلیگی ہمیں معلوم نہ تھا
اسقدر جلد دن الفت کے گذر جائینگے   چڑھ کے ہم اُنکی نگاہوں سے اُتر جائینگے
جیتے صدحیف کہ جیتے ہوئے مرجائینگے   زندگی موت بنے گی ہمیں معلوم نہ تھا
یاد ہیں یاد ہیں وہ سہانی راتیں   جب کیا کرتے تھے وہ ہم سے مزے کی باتیں
ہنس کے کی جاتی تھیں سو سو گھاتیں   یا اکیلے ہی کٹے گی ہمیں معلوم نہ تھا
ڈوبے بدبختی سے ساحل کے کنارے ہوکر   اُنکی نظروں سے گرے جلد سہارے ہوکر
[illegible] گئے افسوس ہمارے ہوکر   دوستی بڑھ کے گھٹے گی ہمیں معلوم نہ تھا
قصر اُمیدوں کے بنتے ہی اُجڑ جائینگے   نقش ارمانوں کے بنتے ہی بگڑ جائینگے
ایسا بھی ہوگا کہ وہ ہم سے بچھڑ جائینگے   روح قالب سے چھٹے گی ہمیں معلوم نہ تھا
یا دل جل کے رہینگے مہ و اختر کی طرح   یا ہم گھومینگے پیمانہ و ساغر کی طرح
یا بدل جائینگے بیدرد مقدر کی طرح   یوں بھی آپس میں چلے گی ہمیں معلوم نہ تھا
وہ بچھڑ جائینگے ہم ہجر میں جان کھوئینگے   راتیں آنکھوں میں کٹینگی نہ کبھی سوئینگے
روئینگے اُن کے لئے آٹھ پہر روئینگے   زندگی روگ بنے گی ہمیں معلوم نہ تھا
[illegible] اُن کی قسم مر کے مذاق کرسکے پیار نہ افسوس گر جی بھر کے
ہو گئے ہم سے جدا وعدۂ فردا کرکے
دل کی دل ہی میں رہے گی ہمیں معلوم نہ تھا

(بقیہ مضمون صفحہ ۸ کالم ۲ ملاحظہ ہو)

خدا کرے جلد بالکل صحیح و تندرست ہوکر کاکوری واپس آئیں۔

علالت:۔ منشی محمد نسیم علوی کی حالت بدستور ہے۔ شکایات میں کوئی بین

فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جلد ازالۂ مرض فرماکر سب کو مطمئن فرمائے۔

متفرقات:۔ (۱) اس وقت تک کلکتہ سے جو اطلاعات ملی ہیں اُن سے دریافت ہوا ہے وہاں مقیم اعزہ و اہل وطن بفضلہ بعافیت ہیں۔

(۲) قصبہ میں چوریوں کا زور ہے بعض واقعات کا دن دہاڑے ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

(۳) [illegible]

(بقیہ مضمون صفحہ ۴ کالم ۱ ملاحظہ ہو)

میری محبوبہ، میری پیاری دلہن، جواہرات سے مزین۔ نرم و نازک ریشمی تکیے چھوڑ کر میرے ساتھ دریا کی تہ میں جائیگی اور پتھروں کے سخت بستر پر سوتی رہے گی۔ . . . . .

جگ گذر گئے ہیں اور وہ ایک ہی ہیں لاکھوں برس سے ہم ایک دوسرے سے بغلگیر و ہمکنار کھڑے ہیں کون ہے جو ہماری لاکھوں برس کی محبت کو غلط ٹھہرا سکے! اس پُر خلوص عشق کو دیکھ کر آسمان ہمیں کیوں ایک دوسرے سے علیحدہ کرے گا؟ کیا ہم اور وہ ایک نہیں ہیں؟

"تانا بابا" نے میرے لئے اپنے دریچوں میں بیٹھ کر جو سفید پوشاک بُنی تھی وہ آج تیار ہوگئی ہے اور وہ میرے لئے لائے گی۔ اگرچہ میری دلہن مجھ سے دور ہے اور بادلوں کے پُر اسرار پردوں کے پیچھے مستور ہے مگر ہر شام کو تانا بابا اپنی چھوٹی بہن کو پُر اشتیاق نظروں سے دیکھنے کے لئے بام فلک پر بکھر دیتی ہے۔

پورے ایک سال کے شدید انتظار کے بعد وہ دن آگئے! جب میں اپنے محبوب دولہا سے ملوں گی! بس کل سے راتیں گن گن کر کاٹوں گی۔

آہا! وہ افق پر سفید بادل بادِ خزاں کے دوش پر سوار میری طرف اُڑا چلا آرہا ہے۔

چونکہ میرا محبوب کبھی کبھی ملنے والا محبوب ہے اور آج رات کو میرے محبوب کا سفینہ اس دریائے فلک کے پانی کو چیرتا ہوا میرے پاس آئے گا اس لئے سب لوگ ہوشیار رہیں۔

ہوا تیز ہوتی جارہی ہے اور موجوں میں جوش آرہا ہے کیا دریا میں طوفان آئے گا۔ .. .. جلدی کرو میرے مالک اپنی کشتی کو جلد جلد میری طرف لاؤ کیونکہ حاسد دریا کو غصہ آرہا ہے! (ماخوذ)

وطن کی خبریں

خصوصاً اعزہ و احباب اور جملہ اہل وطن سے جو باہر ہیں خواہ وطن میں گزارش ہے کہ اپنے یہاں کی قابل اندراج خبریں اور اطلاعات دفتر میں روانہ کرکے مشکور کرتے رہیں۔ (اڈیٹر)

موسم:۔ سردی اپنے پورے شباب پر ہے۔ ۲۴ دسمبر کو سہ پہر و رات کو بارش ہو جانے سے سردی میں اور اضافہ ہو گیا۔ ہوا میں کافی رطوبت ہے۔ دن بھر دھوپ میں بیٹھنا خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔ شکر ہے کہ بارش کے بعد ایک دن کے سوا ابر آسمان پر نہیں رہا ورنہ اور بھی جاڑے سے تکلیف ہوتی۔ زراعت کے لئے یہ بارش مفید بتائی جاتی ہے۔ مجموعی حیثیت سے موسم اچھا ہے۔

آب و ہوا:۔ نزلہ و زکام کی عام شکایت ہے۔ بیچارے غریب سردی کی وجہ سے نمونیا میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ اکثر لوگوں کو انفلوانزا ہونے کا بھی حال معلوم ہوا ہے۔ سوائے نزلہ و زکام کے باعث بخار آنے کے اور کوئی شکایت نہیں سُنی گئی۔

ختنہ:۔ عین الدین سلمہ خلف مولوی یقین الدین علوی (مولوی محلہ۔ لال املی) کا ختنہ ۲۶ دسمبر سنہ ۴۲ء (شنبہ، ۱۷ ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۱ھ) کو بعد نماز عصر بہت سادہ طریقہ پر ہوا۔ اداے سنت پر ہم بچہ کے والدین اور نانا مولوی نظم الدین حیدر علوی و دیگر اعزہ کو مبارکباد دیتے ہیں۔

تقریبات:۔ (۱) ۲۶ دسمبر سنہ ۴۲ء بروز شنبہ منشی اقبال احمد علوی خلف ڈاکٹر حاجی حکیم احمد علوی کا عقد نکاح بمقام لکھنؤ محلہ پیر جلیل منشی عماد الحسن علوی کی دختر سے ہوا۔ بعد نکاح خوانی باراتیوں و اعزہ کی دعوت طعام لذیذ سے ہوئی۔ شام کو رخصتی عروس عمل میں آئی۔ حاجی مولوی مصطفےٰ احسن علوی نے خطبہ نکاح پڑھا۔

(۲) ۲۷ دسمبر سنہ ۴۲ء بروز یکشنبہ منشی خلیق احمد علوی خلف ڈاکٹر حکیم احمد علوی کا عقد نکاح بمقام لکھنؤ حاجی مولوی مصطفےٰ احسن علوی کی دختر سے ہوا۔ بعد نکاح خوانی مہمانوں کی کھانوں سے ضیافت کی گئی۔ اور سہ پہر کو عروس رخصت ہو کر ڈاکٹر حکیم احمد کے مکان پر آئی۔ حاجی محمد شفیع بجنوری نے نکاح پڑھایا۔

(۳) ۲۸ دسمبر سنہ ۴۲ء کو منشی اخلاق احمد علوی خلف ڈاکٹر حکیم احمد علوی کا عقد نکاح مولانا مفتی عنایت اللہ مرحوم فرنگی محلی کی دختر سے بمقام فرنگی محل (دولت سرا) ہوا۔ خطبہ نکاح مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلی نے پڑھا۔ بعد نکاح باراتیوں اور اعزہ و احباب کی پُرتکلف ضیافت کی گئی۔ اور بعد عصر رخصتی عروس عمل میں آئی۔ اس مبارک تقریب میں ہر شخص کی نگاہیں مولانا عنایت اللہ مرحوم کو ڈھونڈ رہی تھیں اور مرحوم کی یاد نے ہر کس و ناکس کو بےچین و مضطرب بنا دیا تھا۔

(۴) ۲۹ دسمبر سنہ ۴۲ء بروز سہ شنبہ حاجی ڈاکٹر حکیم احمد علوی کے جائے قیام (نعمت اللہ روڈ) پر اُن کی جانب سے نہایت پُرتکلف و شاندار دعوت ولیمہ ہوئی جس میں تینوں سمدھیانوں کے اعزہ و احباب کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے عزیز و اقارب اور دوست و احباب شریک تھے۔ کھانے میں متعدد اقسام تھے اور سب نہایت خوش ذائقہ اور نفیس تھے۔ اور اسی دن زنانہ میں دعوت بہو بھوج بھی ہوئی۔

(۵) ۲۵ دسمبر سنہ ۴۲ء کو محمد خالد خلف شیخ عزیز الحسن صدیقی بجنوری کا عقد نکاح منشی سعید الدین عباسی مرحوم کی دختر سے بمقام سیتاپور ہوا اور دوسرے دن عروس رخصت ہو کر لکھنؤ وزیر منزل میں آئی۔ دوسرے دن شب کو عزیز الحسن صاحب کی جانب سے اعزہ و احباب کو دعوت ولیمہ دی گئی۔

ہم ان تقریبات سے بحسن وجوہ فراغت پانے اور فرائض سے سبکدوشی ہونے پر متعلقہ حضرات کو پُرخلوص مبارکباد دیتے ہیں۔ کاش کہ اول الذکر تقریبیں کاکوری میں ہوتیں تو ان ایام میں سرزمین وطن میں خاصی چہل پہل ہوتی۔ اور کاکوری کے غریب پیشہ وروں کا بھی بھلا ہوتا اور عرصہ دراز تک وطن کے غریب طبقہ کی زبان سے ان پُرمسرت تقریبات کی یاد میں دل سے دعائیں نکلتیں اور اُن عورتوں و مردوں کو اس شدید سردی میں ان تقریبات کی شرکت کے لئے زحمت و تکلیف نہ اُٹھانا پڑتی۔ (اڈیٹر)

معاودت وطن:۔ مذکورالصدر تقریبات میں شرکت اور تعطیل کلاں کے سلسلہ میں حسب ذیل حضرات باہر سے آئے تھے:۔ قادری احمد محسن علوی میونسپلٹی (؟) بمبئی سے خانصاحب مولوی ضیاء الحسن علوی و منشی مشیر احمد علوی معہ فرزندان اور منشی معین احمد علوی الہ آباد سے۔ منشی حبیب احمد علوی فیض آباد سے۔

صحت و سکون:۔ اہلیہ قاضی راشد علیخاں کے متعلق دریافت ہوا کہ لکھنؤ میں اب اُن کی طبیعت مائل بصحت ہے۔ انجکشنوں سے فائدہ محسوس ہو رہا ہے۔ بفضلہ ایک ہفتہ سے کوئی دورہ نہیں ہوا ہے۔ کھانسی بھی اب نہیں ہے۔ البتہ ابھی ضعف کافی ہے۔ (بقیہ صفحہ ، کالم ۱ پر ملاحظہ ہو)

سید توصل حسین نے اپنے یونائیٹڈ انڈیا برقی پریس لکھنؤ میں چھاپا اور سید محمد بشیر الدین نے مولوی محلہ (لال املی) کاکوری سے شائع کیا۔